

”آپ میری کسی چیز میں شامل نہیں ہیں۔“

”تو پھر مجھ پر ایک مریانی کرو: اس پات کا سب لوگوں میں اعلان کر دو۔“

”کیوں؟“

”میں تمہارا روز روز کا جھگڑا چکاتے ہوئے تنگ آگیا ہوں۔“

”جھگڑے میں آپ خود پڑے ہیں۔“

”کیسے؟“

آپ نے میری شادی کرائی تھی۔

”تو میں — اس کا قصور وار ہوں؟“

آپ اس میں شریک ہیں، بہر حال۔“

”میں قصور وار ہوں؟“ اس نے حیرت سے پھر پوچھا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔“

اتنے تھوڑے سے وقت میں اتنی ساری غیر متوقع باتیں ایک ساتھ واقع ہو گئی تھیں کہ اس کے ذہن کا وہ چمچما تا ہوا تیز حصہ جوان کے صدمے کو درج کرتا ہے، ایک دم کند ہو گیا۔ وہ ساری باتوں کو چھوڑ کر دفتا ”فرش پر پھیلے ہوئے دو دھن اور چائے اور شکر کے بارے میں سوچنے لگا۔ بڑی آسانی سے اٹھ کر چائے کے برتن اکٹھا کرتے اور انہیں طشتی میں رکھتے اور اوندھی میز کو کھڑا کرتے ہوئے اس کے اوپر گیلے قالین اور ٹوٹی ہوئی پیالی کا پورالیہ اپنی تمام تر شدت اور مضنكہ خیزی کے ساتھ واضح ہو گیا۔ یہ لڑکی جو اس کے سامنے ایسی ٹھوس خود مختاری کے ساتھ بیٹھی تھی، اور جو چاہتی تھی کر رہی تھی، جو چاہتی تھی کہہ رہی تھی — وہ ہمیشہ سے کہتی آئی تھی، اور ہمیشہ میں تمیں سال سے اوپر کا عرصہ آتا تھا — وہ اسے خالی چینی کی پیالی کی مانند نازک اور بے زبان اور غیر محفوظ معلوم ہوئی تھی، وہ اسے ایک عمر سے جانتا تھا، اور ایک عمر

کے اندر وہ سارے زمانے آتے ہیں جو کسی کو جاننے کے لئے ضروری ہوتے ہیں، سب سے بڑا لڑکپن کا زمانہ جب ہجھولیوں کے ساتھ کھلتے ہیں اور اتنا طول طویل کھلتے ہیں کہ دیر سوریہ کی خبر نہیں رہتی اور دور دراز ایسی ایسی جگہوں پر کھلتے ہیں جو کسی کے علم میں نہیں ہوتیں اور ایسا ایسا گمرا کھلتے ہیں کہ ایک دوسرے کی بوباس کے واقف ہو جاتے ہیں، آنے والے سارے زمانوں پر اس زمانے کی ایسی چھاپ لگ جاتی ہے کہ پھر عمر میں جب بھی کبھی کسی ایسے وقت یا ایسی جگہ میں سے اتفاقیہ گزر ہوتا ہے جو ان جگہوں سے ان چھروں سے، ان ناموں سے بلکہ ان گم شدہ آوازوں تک سے اور کبھی کبھی تو محض کسی بازو، کسی ہاتھ کے اس واحد نامکمل اشارے اور کسی آنکھ کی اس مخصوص لمحاتی چمک سے ہی ذرہ بھر کا بھی میل کھاتی ہے جن سے کبھی آشنائی رہ چکی ہوتی ہے تو زہن چشم زدن میں سارا فاصلہ طے کر کے وہاں جا پہنچتا ہے اور لوٹ بھی آتا ہے، لڑکپن کے زمانے کا ایک ایک لمحہ عمر بھر کا احاطہ کرتا ہے — اور وہ اس لڑکی کو اس زمانے سے جانتا تھا۔

”میں تنگ آچکا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”کس بات سے۔“

”تمہارے جھگڑوں سے۔“

”آپ سے کس نے کہا تھا۔——“

”کیا؟“

”—— کہ جھگڑے میں پڑیے۔“

”مجھ پہ لازم آتا تھا۔“

”کیسے؟“

”ایسے کہ میں — کہ میں تمہارا — ہنہ — ہنک!“

”کہئے، کہنے — آپ میرے کیا؟“

”میں تمہارے گھر کا ایک فرد ہوں، تقریباً۔“

”میرے گھر کے فرد اور بھی ہیں۔“

”اور اس لئے بھی کہ میں تمہاری شادی کرانے کا ذمہ دار ہوں۔“

”آپ سے کس نے کہا تھا؟“

”ہنک — لا حول ولا قوہ — تمہاری گھروالوں نے کہا تھا بھی۔“

”میں نے تو نہیں کہا تھا۔“

”تم نے — اور — تمہیں تو پتا ہی تھا۔“

”آپ نے مجھ سے پوچھا تھا؟“

”اس سے بھلا —“

”— کیا فرق پڑتا ہے؟ ٹھیک ہے نا —!“

”اور عمر بھر کے علم کی بنا پر وہ کہہ سکتا تھا کہ اس لڑکی نے آج تک کسی موقع پر کبھی شخصی طور پر، ذاتی سطح پر ایسی بات نہیں کی تھی۔

”آپ آپ آپ —“ اس نے کہا: ”یہ کیا گردان لگا رکھی ہے تم نے۔ سیدھی طرح سے بات کرو۔“

”آپ آپ آپ — بالکل ٹھیک ہے — آپ۔“

”اوو —“ اس نے حلق سے گھری کرنا ک، بیزار کن آواز پیدا کی۔

”اچھا تم —“ وہ مسکراتی: ”تم — ٹھیک ہے؟“

”اوو —“

یہ حیرت کی بات تھی، اس لئے کہ اس کو وہ وقت یاد تھا۔ وہ عمر کے اس دور میں سے گزر رہا تھا جب وہ ہر سمت کا احساس کھو چکا تھا، اور شاموں کو غیر آباد سڑکوں پر گھنٹوں اکیلا پھرتے رہنے کے بعد ان کے گھر آ کر کری پر ڈھیر ہو

جايا کرتا تھا، کبھی کبھی جب ہمایگی کی — دلوں کی ہمایگی کی — خواہش شدید ہو جاتی تھی، اور وہ گھر میں اکیلی ہوا کرتی تھی تو وہ سراٹھا کر کوئی نہ کوئی بات کیا کرتا تھا۔ ژروت! تم کو پتا ہے، میں کہاں کہاں سے ہو کر آیا ہوں۔“
 یا ”یہاں آ کر مجھ سے باتیں کرو بھائی — میں تھک گیا ہوں۔“ یا ”تم ہر وقت کام میں کیوں لگی رہتی ہو، باولی؟“ اور وہ اپنی آہستہ رو، غیر جانبدار مصروفیت میں لگی اپنی کسی حرکت سے، کسی بات سے فوراً اس کو اس پر امن سطح پر لے آتی تھی جس کا وہ متلاشی ہوتا تھا — پھر اس کے بعد وہ وقت جب اس کی شادی ہوئی تھی اور اس نے آ کر پوچھا تھا: ”ژروت، بلقیس تم کو کیسی لگی؟“ توجہ میں بولی تھی: ”بڑی اچھی لگی بھالی بست اچھی لگی —“ وہ ایسے لمحے میں بولی تھی جو اس کو آج تک یاد تھا اور جسے محسوس کر کے اس کا اللو سرد پڑ جاتا تھا، اس لیے نہیں کہ اس میں کوئی حد یا کوئی رنج تھا اس لئے کہ اس میں مشین کی سی یکسانیت تھی جو اس کے لئے غیر متوقع تھی — پھر اس کے بعد وہ وقت جب اس کی بیوی نے وفات پائی تھی (ماں کے بعد دنیا بھر میں صرف بیوی ہی ایسا بشر تھی جس کے وہ کسی حد تک قریب آ سکا تھا) وہ اس حادثے میں یکسر کھو کر رہ گیا تھا اور ایک روز اس کے پاس بیٹھا بیٹھا بول اٹھا تھا: ”لبی بی، کچھ تم ہی بتاؤ۔“ اور اس نے جواب میں کہا تھا: ”صبر کرو۔“ اور وہ ان دو لفظوں کو جو ساری دنیا نے اس کے سامنے دھرائے تھے اور جن میں ساری دنیا کی سرد مری اور لا تعلقی بھری ہوئی تھی، آخر اس کی زبان سے بھی نکلتے سن کر وہ سخت رنجیدہ ہو گیا تھا — وہ وقت اور اس سے پہلے اور اس کے بعد کے بہت سے وقت، درحقیقت اسکو بہت سے زمانے یاد تھے جن میں کہ وہ برابر کی شریک تھی۔

”تم سے ایسی باتوں کی توقع نہیں تھی لبی بی۔“ اس نے کہا۔

”بی بی——بی بی——“ وہ پھٹ پڑی: ”بی بی——
”ایں؟“

”جیسے میں بھیڑ ہوں یا بکری ہوں یا کیا ہوں—— جس کا کوئی نام نہیں،
کوئی کام نہیں—— جس کا——“
”ثروت!“

”ہاں یہ ٹھیک ہے—— ثروت—— یہ میرا نام ہے۔“
”ثروت!!“

”تم نے عمر بھر مجھے کوئی نام نہیں دیا کبھی—— میرے وجود تک کو
تلیم نہیں کیا کبھی—— مجھے کچھ بھی نہیں سمجھا—— کچھ بھی نہیں
“

”کچھ بھی نہیں۔“ اس کامنہ کھلا رہ گیا۔

”میرے نام کو تم پکارتے رہے ہو اور برابر بے خبر رہے ہو، برابر۔“

”کس سے بے خبر رہا ہوں؟“

”مجھ سے——“ وہ چیخنی: مجھ سے!

”میں کچھ سمجھا نہیں ثروت۔“

تم نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ میں بھی کوئی ہوں، تمہاری طرح، دوسروں
کی طرح، ایک انسان—— اور دیکھتی بھالتی ہوں، سوچتی ہوں، محسوس کرتی
ہوں، کوئی وجود رکھتی ہوں، جیسے ہر کوئی رکھتا ہے، جیسے تم رکھتے ہو۔“

”مگر ثروت—— میں ہمیشہ تمہارا——“

”ہمیشہ میرا خیال رکھتے رہے ہو؟ ٹھیک ہے۔ ہمیشہ میرے آس پاس رہے
ہو؟ ٹھیک ہے۔ مجھ سے اتنے مانوس، اتنا قریب رہے ہو؟ یہ بھی ٹھیک ہے مگر
کتنے بے تعلق رہے ہو!“

”سر اسرا غلط ہے، سرا سر — تم بے تعلق رہی ہو۔۔۔“

”میری بد قسمتی یہ ہے نعیم کہ تم مجھے اس وقت سے جانتے ہو جب میں ایک کرتہ پن کرنگے پاؤں گلیوں میں بھاگا کرتی تھی اور تم مجھے بالوں سے کپڑا کر گھینٹا کرتے تھے — تم مجھے سے اتنے مانوس، اتنے غافل تھے — اور ہمیشہ رہے ہو — اور میں اسی مانوسیت کے حجاب میں عمر بھرا تعلق بنی رہی ہوں۔“

”غلطی تمہاری تھی۔“

”غلطی نہیں، مجبوری۔“

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی — ”اس نے کہا: ”بچپن کی دوستی کا نتیجہ اس طرح کیسے نکال رہی ہو؟“

بچپن کی دشمنی کا تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا — دشمنی نادانی ہوتی ہے، دوستی ظلم ہوتی ہے — میری طرف دیکھو، اوپر سے نیچے تک دیکھو — تم نے آج تک نظر بھر کر میری طرف نہیں دیکھا — میں ایک عورت ہوں، ایک مکمل شخصیت ہوں — تمہیں کبھی اس کا خیال آیا ہے؟“

”میں کبھی تم سے غافل نہیں رہا۔“

”درست ہے — تم ہمیشہ میرے بارے میں بڑے باخبر رہے ہو، اسی طرح جیسے اس کری یا اس میزیا اس کھجور کے پیڑ کے بارے میں باخبر رہے ہو — کبھی تم نے آج تک مجھ کو وہ سمجھا ہے جو میں ہوں؟“

”میں نے ہمیشہ تم کو ثروت سمجھا ہے، جاوید کی بہن، ایک نہایت عزیز ہستی، ایک معقول شریف لڑکی —“

”معقول شریف لڑکی —“ وہ ہوا میں ہاتھ پھینک کر بولی: ”تمہیں پتا ہے اس کا مطلب؟ جماں ہم رہتے ہیں وہاں معقول شریف لڑکی اللہ میاں کی

گائے ہوتی ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، جو حیوان مال ہوتی ہے، جو محض فرض کر لی جاتی ہے، محض قبول کر لی جاتی ہے اور نظر انداز کر دی جاتی ہے اور مستقل نظر انداز کی جاتی ہے، مستقل۔“

”تم خواہ مخواہ مبالغے سے کام لے رہی ہو، ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو“

”عمر بھر کی پس و پیش کے بعد دل ٹھنڈا نہیں رہتا اور نہ سوچ رہتی ہے — تم لوگ ہمارے ساتھ ایسا خراب سلوک کرتے ہو —“
”ہم لوگ؟“

”ہاں —“ وہ بولی: ”تم لوگ۔“

”اوہ ثروت —“ اس نے تھکے ہوئے لبجے میں کہا: ”اس میں میرا کیا قصور؟“

”تمہارا قصور —“ وہ بولی: ”محمود تمہارا دوست تھا اور تم نے میری شادی ٹھہرائی تھی — تم مجھ سے پوچھ نہیں سکتے تھے؟“
”پوچھنے کے لئے تمہارے گھروالے جو موجود تھے۔“
”گھروالے —“ وہ بولی: ”گھروالے کیا ہیں — وہ تو محض گھروالے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”گھروالے اہم نہیں تھے — اہم تم تھے۔“
”کیسے؟“

”میرے لئے۔“

”ثروت —“ وہ جیسے زندگی میں پہلی بار چونک اٹھا ہو: ”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

پھر وہ اس کی خاموش، بیباک نظروں سے اپنا جواب حاصل کر کے کرسی کی پشت سے نیک لگا کر بیٹھ گیا اور ندامت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
وہ اٹھ کر کمرے میں پھرنے لگی۔

”نعم، عورتوں میں بڑا صبر ہوتا ہے اور بڑی شرم ہوتی ہے، اتنی کہ میں اب تک آنکھ ملا کر تم سے بات نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ لیکن اب وہ وقت آ گیا ہے کہ جب آدمی، عورت ہو کہ مرد، اتنا کچھ بھگت چکا ہوتا ہے کہ نہ شرم رہتی ہے نہ صبر۔۔۔ میں بیس برس کی ہو چکی ہوں اور میں نے زندگی کی ساری ذہنی چھپی شکلوں کو دیکھ لیا ہے۔“
”شروع!“

”میں نے سمجھا تھا کہ دنیا بہت بڑی ہے، اس میں پیٹ کے مسئلے ہیں اور ہر روز کی زندگی کے جو بہت اہم ہیں۔۔۔ میں سب کچھ بھول جاؤں گی۔۔۔ عورت اپنا سر بلند رکھنے کے لئے آخر دم تک اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکا دیتی رہتی ہے، یہ مت سمجھو کہ میں محمود کو کسی بات کا ملزم ٹھہرا رہی ہوں، میرا شوہر بہت اچھا آدمی ہے، اس نے کبھی مجھے دکھ نہیں دیا۔۔۔“
وہ اٹھ کھڑا ہوا، لیکن پھر بیٹھ گیا۔

وہ کمرے میں پھرتی رہی: ”دس سال کا عرصہ گزر گیا ہے اور میں آج تک اس سے کھل کر بات نہیں کر سکی۔۔۔ یقین جانو، میں نے کوشش کی ہر روز، ہر رات۔۔۔“

”خدا کے لئے چپ رہو۔“

”ہر رات، ہر ہر لمحے مجھے احساس رہا ہے کہ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی وقت، کوئی نہ کوئی شے، بہر حال کھوئی گئی ہے، چھٹ گئی ہے، ضائع ہو گئی ہے۔۔۔ اس کی کھٹک میرے دل میں برقرار رہی ہے، ہمیشہ ہمیشہ۔۔۔ وہ شے

جس کے چھٹ جانے سے انسانوں کے درمیان دیانت داری ختم ہو جاتی ہے
— پھر ایک روز جب سانس بھی سینے میں رکنے لگتی ہے تو دل میں خیال آتا
ہے کہ یہ سب اس قدر فضول ہے، فضول، فضول، لا حاصل —
”ژروت بیگم —“ اس نے کہا: ”زندگی کی گاڑی کو اب موڑا تو
نہیں جا سکتا۔“

”مگر اس دکھ کو تو ختم کیا جا سکتا ہے۔“
”کیسے؟“

”نعم —“ وہ بولی: ”میرے حلق میں ایک چھانس ہے۔“
”مگر میں کیا کر سکتا ہوں ڈا۔“
”مجھے آزادی چاہیے۔“
”کیسے —“ وہ چیخ کر بولا: ”کیسے؟“

پھر اس کی خاموش بے باک نظروں اور ہوا میں پھیلے ہوئے، بولتے
ہوئے، فریاد کرتے ہوئے مایوس، بے محاب ہاتھوں کو دیکھ کر وہ سن رہ گیا۔

جب رات آدمی سے زیادہ گزر چکی تو اس نے سوچا کہ محبت کی بھی بہت
سی قسمیں ہیں: ایک وہ ہے جو ہمیں نادار کرتی ہے۔۔۔ مگر محبت آخر محبت ہے
جو کچھ بھی اور کیسی بھی ہو، آدمی کو اپنے آپ سے الگ کرنے اور کہیں نہ کہیں
پہنچانے پر حاوی ہے، بہر حال۔

جب رات ابھی شروع ہی ہوئی تھی تو اس نے صرف ایک سوال کیا تھا:
”تم ہمیشہ ننگے بدن سوتی ہو؟“ اور جواب میں وہ آہستہ سے بولی تھی: ”شی
۔۔۔“ جیسے ماتحتی مجلسوں یا مقدس مزاروں پر سوال کرنے والے بچوں کو چپ
کرایا جاتا ہے۔۔۔ اور یوں یہ وہ واحد کلمہ ثابت ہوا تھا جو رات بھر میں اس
کے منہ سے نکلا تھا، اور اس نے ذرا حیرت سے سوچا تھا کہ عورت کی بھی کتنی

مختلف تسمیں ہوتی ہیں: ایک تو یہ تھی جو آج کے دن تک اس کے لئے بے جنس و کشش رہی تھی، درحقیقت اس بلا کی جاندار اور روشن تھی کہ پل کے مل میں اس کو کہاں سے کہاں لے گئی تھی۔—جب عورت اور محبت کا میل ہوتا ہے تو ایک کرشمے کا ظہور ہوتا ہے جس کے واسطے سے 'بلندی کا ہو،' کہ پستی کا ہو، زندگی کا ایک تجربہ ہوتا ہے جو عظیم اور معزکہ خیز ہوتا ہے، اس لحاظ سے کہ آدمی کو اپنی آپ سے الگ ہو کر زندگی کی بلند سے بلند اور پست سے پست شے کو، ایک لمحے کے لئے ہی سی، ایک سطح پر، ایک نظر میں دیکھنے اور اس کو خود میں جذب کرنے اور پھر خود کو کائنات میں کھونے اور ساری جاندار اور بے جان چیزوں کے ساتھ ایک ہونے، ایک لمحے کے لیے ہی سی، ایک ہونے اور اپنے آپ کو عظیم اور قوی اور لافانی ذات واحد خیال کرنے کی الہیت بخشا ہے۔— اس بات کا اسے علم ہوا تھا۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ اب تک وہ پیدائش سے لے کر شادی، اور شادی سے لے کر موت تک، زندگی کی ساری تاریخ اور ساری اونچ پنج اور سارے دکھ اور ساری راحت سے آشنا ہو چکا ہے، اور اب کوئی بات، کوئی چیز بھی اسے چونکا نہیں سکتی۔—وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا کہ وہ لمحہ، وہ ایک لمحہ جو اس کے سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد ہزاروں بار اس پر آیا تھا اور کبھی پریشانی، کبھی پشیمانی اور کبھی محض لذت دے کر گزر گیا تھا، اس لمحے میں جب محبت شامل ہوتی ہے، اور عورت کے بدن کی ساری رضامندی شامل ہوتی ہے تو ناداری کا وہ عظیم لمحہ بھی آدمی کو قوت اور اختیار، اور لافانیت کے اس نشے، اور فنا فی الذات کی ان بلند گمراہیوں تک پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے جہاں پہنچ کر وہ سرور اور طاقت کی آگ میں پکھل جاتا ہے اور پھیل کر ساری کائنات کو لپیٹ میں لے لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب وہ ہی وہ ہے، اور کچھ نہیں ہے، اور کچھ بھی نہیں ہے، جب بدن سے خطاب کرتا ہے اور ہار جاتا ہے تو لوتو

لو سے ہمکلام ہوتا ہے، اور جب لو سرد پڑ جاتا ہے، محبت جب بھی رہتی ہے، اچھے وقت کی یاد کی طرح جو دراصل اچھے وقت کی نسبت، جس کے واسطے سے کہ وہ ہوتی ہے، زیادہ خوش کن اور پائیدار ہوتی ہے لیکن جس کے وجود کے بغیر جو وجود میں نہیں آ سکتی، محبت، جب بدن بدن کا مخاطبہ انجام پاتا ہے اور لو اب واسطے سے مکالمہ ترک کرتا ہے، باوجود اور بدستور رہتی ہے مگر اپنا وجود بدن بدن کے اس رشتے سے حاصل کرتی ہے جو لو کی گرمی پر قائم ہوتا ہے اور جس کے واسطے سے باقی سارے رشتے ہوتے ہیں، کہ ایک پھول جو اپنی زمین کی مرطوب حدت پر قائم ہوتا ہے، سب سے فی الواقعہ وجود ہوتا ہے اور گو کہ اس کی خوبصورتی اور حسین ترا اور اعلیٰ تر ہوتی ہے اور حصے میں خانہ بدوش کی سی آزادی اور خود مختاری اور خود کلامی اور ہرن کی سی وحشت اور رفتار اور تقاضے کر پیدا ہوتی ہے، پھول کے بدن کے واسطے کے سوا کوئی واسطہ دنیا میں کسی سے اور کوئی وجود دنیا میں کبھی نہیں رکھتی بہر حال، اس بات کا اس کو علم ہوا تھا —

مگر اب وہ لمحہ گزر چکا تھا اور اب وہ اپنا فاتح اور پر سکون جسم بستر پر پھیلائے چاروں شانے پت لیٹا چھت کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں تاریکی سے مانوس ہو چکی تھیں اور تھوڑے تھوڑے وقفے پر وہ ایک پچھلتی ہوئی بے دھیان نظر اس پر ڈال لیتا تھا جواب اس سے منہ موڑ کر لیٹ گئی تھی اور دیوار کو تکے جا رہی تھی، اور اس کا لمبا تاریک بدن جس کو ڈھانپے کی بھی اس نے تکلیف نہ کی تھی، مسلسل جھر جھرا رہا تھا اور وہ ہلکی ہلکی گرمی اور ملفوف اور نامانوس آوازوں میں نہے جا رہی تھی، نہے جا رہی تھی، یا شاید روئے جا رہی تھی — اس نے کئی بار چاہا کہ اٹھ کر دیکھے، یہ ہنسنے کی آواز تھی یا کہ رونے کی مگر کوشش کے باوجود ایک بازو، ایک انگلی تک نہ ہلا سکا اور اسی طرح اپنا فاتح پر سکون جسم بستر پر پھیلائے دل میں موت لئے پڑا رہا۔

یوں بتیں برس کی عمر پانے اور اس کے سرد و گرم سے گزرنے کے بعد اس کو۔۔۔ وہ جو دیوار کی طرف منہ کیے لیٹھی تھی۔۔۔ آخر اس بات کی خبر ہوئی کہ دنیا میں آدمی اپنی قسمت کا لکھا یا اپنے کرموں کا پھل نہیں، صرف اپنی پیدائش کا صلہ پاتا ہے، جو خواہش پوری ہو جاتی ہے، اور وہ جو حسرت بن جاتی ہے، کوئی بھی ہمیں کچھ نہیں دیتی، صرف غریب کر جاتی ہے، دونوں کو ہم ایک ساتھ بھگلتے ہیں، کہ ایک بار دلوں کو ہمسایگی ختم ہو جاتی ہے تو پھر جسم کی قربانی سے نہیں لوٹتی۔۔۔ شاید وہ رورہی تھی، آخر کار۔

صح ناشتے کی میز پر اس کے سامنے اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک کہ اس کی ماں نے آکر برتن نہ اٹھا لئے۔ متعدد بار اس نے بات شروع کرنے کی کوشش کی مگر الفاظ اس کی پکڑ میں نہ آئے۔
”شوت۔“ آخر اس نے کہا۔

”چلو چلیں۔۔۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”شوت۔“

”چلو چلیں۔۔۔“ وہ بولی: ”اٹھو۔۔۔“

اس کی ماں کو سلام کر کے اور اسے ساتھ لے کر وہ باہر نکل آیا۔

”جاوید کا خط آیا ہے۔۔۔“ وہ اسے بتانے لگی: ”اگلے ہفتے آ رہا ہے۔ اب کے وہ اماں کو ساتھ لے جائے گا پھر گھر خالی ہو جائے گا۔ شاید بند کر دیا جائے یا کرائے پر دے دیا جائے۔۔۔ آج دھوپ کتنی سرد ہے۔“
”شوت۔“

”وہ دیکھو، دو لڑکیاں گر پڑی ہیں۔۔۔ ایک سائیکل پر دو لڑکیاں کیوں چڑھتی ہیں؟“

”شوت۔۔۔“

یوں بیس برس کی عمر پانے اور اس کے سرد و گرم سے گزرنے کے بعد اس کو۔۔۔ وہ جو دیوار کی طرف منہ کیے لیئی تھی۔۔۔ آخر اس بات کی خبر ہوئی کہ دنیا میں آدمی اپنی قسمت کا لکھایا اپنے کرموں کا پھل نہیں، صرف اپنی پیدائش کا صلد پاتا ہے، جو خواہش پوری ہو جاتی ہے، اور وہ جو حسرت بن جاتی ہے، کوئی بھی ہمیں کچھ نہیں دیتی، صرف غریب کر جاتی ہے، دونوں کو ہم ایک ساتھ بھگلتے ہیں، کہ ایک بار دلوں کو ہمسائیگی ختم ہو جاتی ہے تو پھر جسم کی قربانی سے نہیں لوٹتی۔۔۔ شاید وہ رو رہی تھی، آخر کار۔

صحح ناشستے کی میز پر اس کے سامنے اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک کہ اس کی ماں نے آکر برتن نہ اٹھا لئے۔ متعدد بار اس نے بات شروع کرنے کی کوشش کی مگر الفاظ اس کی پکڑ میں نہ آئے۔
”ثروت۔“ آخر اس نے کہا۔

”چلو چلیں۔۔۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ثروت۔“

”چلو چلیں۔۔۔“ وہ بولی: ”اٹھو۔۔۔“

اس کی ماں کو سلام کر کے اور اسے ساتھ لے کر وہ باہر نکل آیا۔

”جاوید کا خط آیا ہے۔۔۔“ وہ اسے بتانے لگی: ”اگلے ہفتے آ رہا ہے۔ اب کے وہ اماں کو ساتھ لے جائے گا پھر گھر خالی ہو جائے گا۔ شاید بند کر دیا جائے یا کرائے پر دے دیا جائے۔۔۔ آج دھوپ کتنی سرد ہے۔“

”ثروت۔“

”وہ دیکھو، دو لڑکیاں گر پڑی ہیں۔۔۔ ایک سائیکل پر دو لڑکیاں کیوں

چڑھتی ہیں؟“

”ثروت۔۔۔“

”شی—

”ثروت!“

”نہیں نعیم——“ وہ بے حد تھکے ہوئے لجے میں بولی: ”خدا کے لئے
چپ رہو۔“

وہ چپ رہا، مگر برابر اس کو دیکھے گیا۔

”پیدل چلیں یا بس پر؟“ وہ بولی۔

”جیسے تمہاری مرضی۔“

”پیدل چلتے ہیں۔ فاصلہ ہی کتنا ہے۔“

”ہاں۔ فاصلہ ہی کتنا ہے۔“

”بے سود!“

”ہونہ——؟“

”سب بے سود ہے، بے سود۔“

”ایں؟“

”لا حاصل، فضول، فضول۔“

”نہیں ثروت، رکو، میری بات سنو——“

”تم لوگ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو——“ وہ بد دلی سے بولی:

”میرا گھر آگیا ہے۔“

وہ ٹھنک کر رک گیا۔۔۔ جب وہ اس کے گھر کے دروازے کی طرف

بڑھنے لگا تو وہ پلٹ کر کھڑی ہو گئی: ”تم اب جاؤ۔“

”کہاں؟“

”جاو۔“

”مگر ثروت۔“